بسم الله الرحمن الرحيم

دل سوز سے خالی ہے، نگاہ پاک نہیں ہے
پھر اس میں عجب کیا کہ تو بیباک نہیں ہے

☆☆☆

قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں!

سوز عشق اور کیف علم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی شَهِدْنَا سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اولاد آدم علیہ السلام کے دو گروہ:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کی پشت پر ہاتھ مارا۔ اس ہاتھ کو ہم اپنے ہاتھ پر قیاس نہیں کر سکتے' وہ دست قدرت تھا۔ جب اللہ رب العزت نے اپنا دایاں ہاتھ ان کی پشت پر مارا تو آدم علیہ السلام کی اولاد نکل پڑی جن کے جسم بالکل انسان جیسے تھے۔ آنکھیں تھیں' زبان تھی' ساخت پوری تھی مگر جسم بالکل چھوٹے تھے۔ ان کے چہرے نورانی تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا بایاں دست قدرت مارا تو اور اولاد نکل پڑی جو جسامت اور شکل و صورت میں تو ویسی ہی تھی مگر ان کے چہرے سیاہ تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جب ان کی طرف دیکھا تو پوچھا' اے پروردگار! یہ کون ہیں؟ فرمایا گیا کہ یہ تیری اولاد ہے۔ جب اولاد کا لفظ سنا تو حضرت آدم علیہ السلام ان کی طرف دوبارہ متوجہ ہوئے۔ پہلی نگاہ اجنبیت کی تھی اور دوسری نگاہ اپنائیت کی تھی۔ جب دوبارہ نظر ڈالی تو دیکھا کہ کچھ نورانی چہروں والے اور کچھ سیاہ چہروں والے ہیں۔ چونکہ باپ کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ سب اولاد باکمال ہو۔ اس لئے جب آدم علیہ السلام نے کچھ چہروں کو نورانی دیکھا اور کچھ کو سیاہ دیکھا تو عرض کیا لَوْلَا سَوَّیْتَ یَا رَبِّی (اے میرے پروردگار! تو نے ان سب کو ایک جیسا کیوں نہ بنا دیا)۔ تو اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا' اَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ (میں نے اس بات کو پسند کیا میں پہچانا جاؤں)۔ گویا " فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّةِ وَ فَرِیْقٌ

فِي السَّعِيْرِ (سفید چہروں والے جنت میں اور سیاہ چہروں والے جہنم میں جائیں گے)۔ آدم علیہ السلام کی اولاد سے امتحان مقصود تھا۔ جو اس میں پاس ہونے تھے وہ سعید اور نورانی چہروں والے تھے اور جو امتحان میں فیل ہونے تھے وہ شقی اور سیاہ چہروں والے تھے۔ یہ دو طرح کی اولاد آدم تھی۔

اولاد آدم کی اللہ تعالیٰ سے پہلی گفتگو: اس کے بعد اللہ رب العزت نے اولاد آدم کو بھی مخاطب کر کے فرمایا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ كَلَّمَهُ عِيَانًا یعنی اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم پر بغیر پردوں کے تجلی فرمائی اور ہم کلامی کا شرف عطا فرمایا۔ اس ہم کلامی میں پوچھا" اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ " (کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟)۔ سب خاموش ہو گئے کیونکہ کبھی سوال نہیں پوچھا گیا تھا اس لئے حیران تھے کہ ہم سے یہ کیسا کلام ہوا؟ اس وقت معلم انسانیت سید الاولین والآخرین ﷺ نے اس کا جواب دیا "بَلٰى يَارَبِّ "۔ (اے میرے پروردگار! کیوں نہیں' آپ ہی تو ہیں)۔ جب آپ ؐ نے یہ جواب دیا تو اولاد آدم نے یہ جواب سن کر اسے دہرا دیا۔ اسی لئے نبی علیہ الصلوۃ والسلام معلم انسانیت کہلاتے ہیں۔ اس وقت آپ ؐ کو نبوت مل چکی تھی۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ میں تو اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی میں تھے۔

انسانیت کے لئے دو بیش بہا تحفے: اس ہم کلامی کے موقع پر انسانوں کو دو تحفے عطا کئے گئے۔ ایک تو اللہ رب العزت نے اپنا جمال دکھا کر " سوز عشق " عطا کیا اور دوسرا سوال کر کے " کیف علم " عطا کیا۔ یہ بڑی نعمتیں ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی اور نعمتیں نہیں دیں۔ نعمتیں تو اتنی ہیں کہ انسان شمار ہی نہیں کر سکتا۔ دیکھئے! جب بارش ہوتی ہے تو بھلا کوئی آدمی بارش کے قطروں کو گن سکتا ہے؟ نہیں گن سکتا۔ کوئی سمندر کے پانی کے قطروں کو گن سکتا ہے؟ نہیں گن سکتا۔ کوئی انسان آسمان کے تمام ستاروں کو گن سکتا ہے؟ نہیں گن سکتا۔ کوئی انسان پوری دنیا کے ریت کے ذرات کو گن سکتا ہے؟ نہیں گن سکتا۔ کوئی انسان ساری دنیا کے درختوں کے پتوں کو گن

سکتا ہے؟ نہیں گن سکتا۔ سنو اور دل کے کانوں سے سنو! فقیر پھر بھی یہ کہتا ہے کہ بارش کے قطروں کو گننا ممکن ہے' سمندر کے قطروں کو گننا ممکن ہے' ساری دنیا کے ریت کے ذرات کو گننا ممکن ہے' درختوں کے پتوں کو گننا ممکن ہے' آسمان کے ستاروں کو گننا ممکن ہے مگر اللہ رب العزت کی نعمتوں کو گننا ممکن نہیں ہے۔ فرمایا وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لاَ تُحْصُوْهَا (اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم ان کو نہیں گن سکتے)۔ چنانچہ نعمتیں تو بے شمار ہیں لیکن ان میں دو بڑی نمایاں نعمتیں ہیں' ایک سوز عشق والی اور دوسری کیف علم والی۔

دل اور دماغ کی غذا: اللہ رب العزت نے سوز عشق کے لئے دھڑکتا ہوا دل دیا اور کیف علم کے لئے پھڑکتا ہوا دماغ دیا۔ انسان کے جسم میں یہ دو برتن بنا دیئے۔ دل کی غذا عشق ہے اور دماغ کی غذا علم ہے۔ برتن بنا دیئے جاتے مگر غذا نہ دی جاتی تو یہ ناانصافی ہوتی۔ اسی لئے فرمایا لَيْسَ بِظَلاَّمٍ لِّلْعَبِيْدِ (اللہ تعالی اپنے بندوں پر ظالم نہیں ہے)۔ جیسے اللہ تعالی نے پیٹ لگا دیا تو اس کی ضروریات کیلئے زمین پر بھیجنے سے پہلے اس میں پھل' میوے اور غذائیں رکھ دیں اور اسے بچھونا بنا دیا۔ چنانچہ پیٹ بھرنے کے تمام انتظامات مکمل کر دیئے اسلئے کہ ایک ضرورت تھی جسے بالآخر پورا ہونا تھا۔ دل اور دماغ بھی بھوکے تھے۔ ان کو بھی غذا کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالی نے اپنا جمال دکھا کر سوز عشق عطا فرمایا' دل کی غذا بنی اور سوال پوچھ کر کیف علم عطا فرمایا جو دماغ کی غذا بنی۔ عشق کا مقام دل ہے۔ گویا عشق کی آتش دل میں ہوتی ہے اور اس کا دھواں زبان پر تذکرہ کی صورت میں باہر نکلتا ہے۔ اس لئے دل کی غذا ذکر الہی اور دماغ کی غذا علم الہی۔

سوز عشق اور کیف علم کی حقیقت: انسان کی زندگی تبھی کامیاب گزر سکتی ہے جب سوز عشق اور کیف علم والے دونوں پہلو متوازن ہوں گے۔ دنیا کے مفکرین نے کئی نظام بنائے مگر وہ اپنے بنانے والوں کی طرح فانی نکلے۔ وہ اپنی موت اس لئے مر گئے کہ ان میں کیف علم تو تھا مگر سوز عشق نہیں تھا۔ ڈنکے کی چوٹ پر کہا جا سکتا ہے کہ کوئی بھی نظام زندگی اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک

کہ ان دونوں رنگوں سے رنگا ہوا نہ ہو۔

اللہ رب العزت نے جو نظام زندگی ہمیں عنایت فرمایا اس میں سوز عشق بھی ہے اور کیف علم بھی۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام تشریف لائے تو آپ ؐ نے اپنی بعثت کے دو مقاصد ارشاد فرمائے۔ ایک مقصد تو یہ بتایا کہ اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا (میں معلم بن کر مبعوث ہوا ہوں)۔ یہ نہ کہا کہ میں عالم بن کر مبعوث ہوا ہوں اس لئے کہ عالم سے معلم کا رتبہ بلند ہوتا ہے۔ گویا اس حدیث میں کیف علم کی وضاحت ہے کہ میں انسانیت کو زیور علم سے آراستہ کرنے کیلئے بھیجا گیا ہوں۔ دوسری حدیث مبارکہ میں فرمایا اِنَّمَا بُعِثْتُ لاتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ (میں مکارم اخلاق کی تعلیم دینے کیلئے مبعوث کیا گیا ہوں)۔ یہ مکارم اخلاق کیا ہیں؟ انہی کا نام سوز عشق ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام اپنے ان مقاصد میں کس حد تک کامیاب ہوئے؟ اس سوال کے جواب کیلئے آپ ﷺ کے الوداعی خطبہ کا وہ نقشہ سامنے آجاتا ہے کہ جب آپ ﷺ نے سب کے سامنے کہہ دیا' لوگو! کیا جس مقصد کے لئے مجھے بھیجا گیا تھا میں نے اس مقصد کو پورا کر دیا ہے؟ لوگ اس بات کی شہادت دیتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں کہ یقیناً آپ ؐ نے اپنی بعثت کا مقصد پورا کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا' اے اللہ! آپ گواہ رہنا کہ جس مقصد کے لئے آپ نے مجھے بھیجا تھا وہ میں نے پورا کر دیا ہے۔ کس مقصد کی تکمیل کی گواہی دیتے ہیں؟ سوز عشق کی اور کیف علم والے مقصد کی شہادت دیتے ہیں۔

دنیا کے مفکرین نے بہت کوششیں کیں' بہت محنتیں کیں لیکن ان دونوں پہلوؤں کو بیک وقت جمع نہ کر سکے۔

دعوت فکر و عمل روز نئی ملتی ہے
پھر بھی دنیا تیرے پیغام سے آگے نہ بڑھی

بہر حال آج چودہ سو سال گزرنے کے باوجود مدنی آقا ﷺ کا نظام زندگی ہی کامیاب ہے۔ جس میں کیف علم بھی ہے اور سوز عشق بھی ہے۔

دل کی فوقیت عقل پر: انبیائے کرام علیہم السلام جب دنیا میں تشریف لائے تو انہوں نے اپنی محنت کا میدان قلب کو بنایا۔ اس میں ایک خاص نکتہ ہے کہ علم کا تعلق ظاہر کے ساتھ ہوتا ہے اور عشق کا تعلق باطن کے ساتھ ہوتا ہے۔ چونکہ اللہ رب العزت کی محبت عالم غیب کا معاملہ تھا اس لئے قلب کو عقل پر مقدم کیا گیا۔ قرآن نے کہہ دیا لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَا (اے کاش! ان کے دل ہوتے جو انہیں عقل سکھاتے) کیونکہ خود عقل بھی دل کے تابع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیائے کرام تشریف لائے تو انہوں نے بھی محنت کا میدان انسان کے دلوں کو بنایا۔ یہ کہیں نہیں فرمایا کہ ہم نے عقل کو بدل کر رکھ دیا کیونکہ اس میدان میں عقل کے پاؤں لنگ ہیں۔ مشاہدہ تو دل کا کام ہے' ایمان کا تعلق دل سے ہے' غیب کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ ہم اللہ پر بغیر دیکھے ایمان لاتے ہیں اور اس کا تعلق عشق سے ہے' اس کا غیب سے تعلق ہے۔ علم چونکہ ظاہر سے تعلق رکھنے والی چیز ہے اس لئے دین اسلام میں قلب کو عقل پر مقدم کیا گیا۔

عشق اور علم کا باہمی تعلق: جہاں سوز عشق ضروری ہے وہاں کیف علم بھی ضروری ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ چولی دامن کا تعلق رکھتے ہیں۔ اگر فقط عشق ہو تو انسان بدعات کا مرتکب ہو جاتا ہے اور اگر فقط علم ہو تو انسان کبر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ علم عشق کو متوازن رکھتا ہے جبکہ عشق علم میں تواضع پیدا کرتا ہے۔ دونوں ضروری ہیں ایک چیز ہو گی تو بندہ مار کھا جائے گا۔

صرف عشق بدعات کا ماخذ ہے: صرف عشق ہو گا تو انسان کو بدعات میں مبتلا کر دے گا۔ اسی لئے آپ نے دیکھا ہو گا کہ جو زیادہ عشق کا دعوی کرتے ہیں' وہ کہتے ہیں "علموں بس کریں او یار" اس لئے کہ علم سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ بیچارے کہہ بیٹھتے ہیں "تہاڈی پنج ویلے ساڈی ہر ویلے"۔ استغفراللہ۔ یہ اندھا عشق ہی ہے جو قبروں کو سجدے کرواتا ہے۔ پیروں کی اتنی اتنی بڑی تصویریں گھروں میں لگواتا ہے اور صبح کے وقت کہلواتا ہے "بابا جی تہاڈا ای دتا کھاندے آں" ایسا کیوں؟ اس لئے کہ عشق کا کچھ حصہ ان کو ملا ہوتا ہے مگر علم سے خالی ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے ایسی

باتیں کرتے ہیں۔ جبکہ کامل صوفی وہ ہوتا ہے جس میں عشق بھی ہو اور علم بھی ہو۔

صرف علم تکبر پیدا کرتا ہے: اگر فقط علم ہو تو یہ انسان کو متکبر بنا دیتا ہے حتی کہ انسان اپنے نفس کا پجاری بن جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ رب العزت نے قرآن میں فرمایا اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ ھَوَاهُ (کیا دیکھا آپ نے اسے جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا؟)۔ اور آگے کیا فرمایا' وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ (اور علم کے باوجود اللہ نے اسے گمراہ کر دیا)۔ یہاں علم کا تذکرہ اس لئے کیا کہ صرف علم ہو تو انسان کو خواہشات کا پجاری بنا دیتا ہے۔ پھر وہ بندہ اپنی مرضی کے اجتہاد کرتا پھرتا ہے۔ آپ دیکھئے! شیطان بڑا علم والا تھا۔ اللہ رب العزت نے جب حکم فرمایا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو فرشتوں نے سجدہ کیا مگر شیطان نے سجدہ نہ کیا۔ اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ نافرمانی کی اور تکبر کیا وَ کَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ اور کافروں میں سے ہوا۔ تو اللہ رب العزت نے شیطان سے پوچھا' سجدہ کیوں نہ کیا؟ چونکہ علم تھا لہٰذا اس نے دلائل دینے شروع کر دیئے۔ کہنے لگا اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ (میں اس سے بہتر ہوں) کیوں؟ اس لئے کہ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ (مجھے آگ سے پیدا کیا) اور آگ بلندی کی طرف جانے والی ہے۔ وَخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ (اور اسے آپ نے مٹی سے پیدا کیا) جبکہ مٹی میں تواضع ہے لہٰذا میں اس سے بہتر ہوں۔ ایک طرف اس نے یہ logic(دلیل) پیش کی اور دوسری طرف اللہ تعالی نے اسے راندہ درگاہ بنا دیا۔

میرے دوستو! یہ بات اپنے سینوں پر لکھ لیجئے کہ شیطان عالم تو تھا' عامل تو تھا' عابد تو تھا مگر عاشق نہ تھا جس کی وجہ سے وہ دھوکا کھا گیا۔ کاش! کہ عاشق بھی ہوتا تو پھر اسے سجدہ کرنے سے کوئی چیز پیچھے نہیں ہٹا سکتی تھی۔

اہل علم حضرات کیلئے مفید مشورہ: اسی لئے اہل علم حضرات سے کہتے ہیں کہ آیئے! ذرا اپنے آپ کو مٹا کر تو دیکھئے۔ کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا:

قال را بگزار مرد حال شو
پیش مرد کامل پامال شو

کہ تو اپنے قال کو کسی مرد حال کے قدموں پہ ڈال دے اور کسی کے سامنے اپنے آپ کو پامال کر دے پھر دیکھنا کہ خوش بختی کس طرح قدم چومتی ہے۔ مگر یہ بہت مشکل کام ہے۔ کیونکہ نفس بہانے ڈھونڈتا ہے' نفس حجتیں بناتا ہے' وہ اپنے اوپر پابندیاں برداشت نہیں کر سکتا حالانکہ اسی نفس کے مٹانے میں ہی انسان کی عافیت ہے۔ اسی تواضع میں انسان کی بلندی ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ (جو اپنے آپ کو اللہ کے لئے متواضع بنالیتا ہے' اللہ اس کو بلندی عطا فرما دیتے ہیں)۔

؎ جو اہل وصف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کے رہتے ہیں
صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیمانہ

صراحی سر نہ جھکائے تو کیا پیمانے کو بھر سکے گی؟ نہیں' پیمانے کو بھرنے کے لئے اسے سر جھکانا پڑے گا۔ اسی لئے کہنے والے نے کہا:

؎ تواضع کا طریقہ سیکھ لو لوگو صراحی سے
کہ جاری فیض بھی ہے اور جھکی جاتی ہے گردن بھی

جو گردن کو جھکاتا ہے' اللہ اس کے فیض کو بڑھا دیا کرتا ہے۔ آپ بھی ذرا اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک کر دیکھئے' کسی عارف کے سامنے اپنے آپ کو پامال کر کے دیکھئے' پھر دیکھنا اللہ رب العزت کیسے قدردانی فرماتے ہیں۔ چنانچہ آگے فرمایا:

؎ صد کتاب و صد ورق در نار کن
جان و دل را جانب دلدار کن

سو کتابوں اور سو ورقوں کو تو آگ میں ڈال دے اور جان و دل کو اپنے محبوب کے حوالے کر دے' پھر تمہیں محبوب حقیقی کے وصل کا جام نصیب ہو گا۔

؎ مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار بنتا ہے

خاکی النسل بن کر رہنے کی فضیلت:

انسان مٹی سے بنا ہے لہٰذا اسے خاکی النسل بن کے رہنا چاہئے۔ دیکھیں' مٹی کو اللہ نے یہ

عزت دی ہے کہ اس سے پھل پھول نکلتے ہیں' میوے اور غذائیں نکلتی ہیں' کبھی آگ سے بھی کوئی میوہ نکلا؟ نہیں کبھی نہیں۔ وہ تو الٹا میووں کو جلا دیتی ہے۔ مگر یاد رکھیں کہ مٹی کی قدر بھی اس وقت تک ہے جب تک یہ پاؤں کے نیچے ہے' جب وہ پاؤں کے نیچے سے نکلی اور کپڑوں پر پڑی تو ہر بندہ اسے جھٹک دے گا۔ کوئی بھی کپڑوں پہ مٹی لگی برداشت نہیں کرتا۔ آنکھوں میں پڑی تو ہر بندہ مسل کر نکال دے گا۔ اگر کسی چیز پر پڑی تو کہیں گے کہ اس کو یہاں سے جھاڑ دو۔ تو پاؤں کے نیچے سے اوپر گئی تو اس کی بیقدری ہوئی۔ جس طرح مٹی اڑ کر اپنی حیثیت سے بڑھنے کی کوشش کرتی ہے تو ہر بندہ اس سے نفرت کرنے لگ جاتا ہے۔ اسی طرح اگر انسان اپنی اوقات سے بڑھنے کی کوشس کرے گا تو اسے بھی معاشرہ میں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جائیگا۔ ہمیں اللہ رب العزت نے خاکی النسل بنایا ہے اور تواضع ہماری سرشت میں رکھ دی ہے' اس لئے ہم متواضع بن کر رہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا:

زمیں کی طرح جس نے عاجزی و انکساری کی
خدا کی رحمتوں نے اس کو ڈھانپا آسماں ہو کر

آتشی النسل بن کر رہنے کی مذمت: اس کے برعکس آگ کو دیکھئے' کہیں بھی ذرا آگ لگے تو ہر بندہ یہ کہے گا' بھاگو بھاگو! اس کمبخت کو بجھاؤ۔ گویا آگ کا اوپر اٹھنا کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ مگر کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں جو خاکی النسل بن کر رہنے کی بجائے آتشی النسل بن کر رہتے ہیں۔

ایک صاحب کسی آدمی کے پاس گئے' کہنے لگے "حضرت! تھوڑی سی آگ چاہئے۔ اس نے کہا' میرے پاس نہیں ہے۔ پھر کہنے لگا' حضرت! تھوڑی سی آگ لینے آیا ہوں۔ وہ غصے میں کہنے لگے' ارے! تو سنتا نہیں۔ کہنے لگا' حضرت! میں دھواں تو سلگتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ وہ کہنے لگے' میرے کہنے پر یقین نہیں ہے؟ کہنے لگا' حضرت! تھوڑی تھوڑی آگ جلتی بھی دیکھ رہا ہوں۔ کہنے لگے۔ تو بیوقوف ہے' تجھے میری بات سمجھ میں نہیں آتی؟ کہنے لگا' حضرت! اب تو انگارے بھی بننا شروع ہو گئے ہیں۔ وہ کہنے لگے' نکل یہاں' سے دفع ہو جا۔ کہنے لگا' حضرت! یہی تو آگ تھی جس کی میں آپ کو خبر دینے کیلئے آیا تھا۔ تو یہ غصہ ایک

آگ ہوتی ہے۔ جب تھوڑا سا ہوتا ہے تو آگ سلگ رہی ہوتی ہے' جب زیادہ ہوتا ہے تو آگ لگ جاتی ہے اور جب پورا غصہ میں آگیا تو غصہ کی آگ میں بھڑک اٹھا۔ جس بندہ کو غصہ زیادہ آئے وہ آتشی النسل ہوتا ہے۔ جب کہ یہ سلسلہ تو شیطان تک جاکر ملتا ہے۔ اللہ سے توبہ کرلو' ایسانہ ہو کہ تمہارا اس کے ساتھ الحاق کردیا جائے۔ نعوذ باللہ۔

صحابہ کرام میں سوز عشق اور کیف علم:

انسان کو سوز عشق بھی حاصل کرنا چاہیے اور کیف علم بھی۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کو دیکھا جائے تو ان میں یہ دونوں پہلو بہت نمایاں نظر آتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کی زندگیاں مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ کا نمونہ تھیں۔ ان میں ایک طرف عشق الٰہی کا جذبہ تھا تو دوسری طرف علم الٰہی کا جذبہ تھا۔ انکے سینے ایک طرف معرفت الٰہی سے بھرے ہوئے تھے تو دوسری طرف عشق الٰہی سے۔ تو گویا انکے سینوں میں دو دریاؤں کا سنگم تھا۔ یہ دونوں نعمتیں ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے نصیب ہوئی تھیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو بھی انسان سے وہی زندگی مطلوب ہے جس میں سوز عشق بھی ہو اور کیف علم بھی۔

سوز عشق میں سرمست شخصیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دل عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا گہوارہ تھا۔ صحابہ کرامؓ میں ان کو اللہ تعالیٰ نے بہت نمایاں مقام عطا فرمایا۔ دیکھئے! جب سورج طلوع ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس کی کرنیں اس عمارت پر پڑتی ہیں جو سب سے زیادہ بلند ہوتی ہے۔ اسی طرح جب آفتاب نبوت طلوع ہوا تو اس کی کرنیں سب سے پہلے اس ہستی پر پڑیں جو اس امت میں سب سے بلند و بالا تھی۔ یہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ہستی ہی تھی۔ آپ ہی ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے سرخیل امام ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نسبت حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ کو ملی حدیث پاک میں ہے کہ مَا صَبَّ اللّٰهُ فِیْ صَدْرِیْ اِلَّا وَقَدْ صَبَبْتُهٗ فِیْ صَدْرِ اَبِیْ بَكْرٍ (اللہ نے میرے سینے میں جو کچھ ڈالا وہ میں نے ابو بکرؓ کے سینے میں ڈال دیا)۔

میرے دوستو! وہ علم باطن تھا' وہ علم معرفت تھا' وہ ایک نور تھا جو سینۂ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم

سے سینۂ صدیقؓ میں منتقل ہوا تھا۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ اگر میری امت کے ایمان کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایمان کے ساتھ تولا جائے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان بڑھ جائے۔ کیوں؟ اس لئے کہ بے حد سوزِ عشق نصیب تھا۔ آپؓ کے سوزِ عشق کی چند مثالیں عرض کی جاتی ہیں تاکہ پتہ چلے کہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ واقعی سرمست تھے۔

مثال نمبر1:

ایک دفعہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام تشریف فرما تھے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا، " تمہاری دنیا میں سے صرف تین چیزیں مجھے محبوب ہیں۔ ایک خوشبو' دوسری نیک بیوی اور تیسری میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے "۔ یہ الفاظ زبانِ فیض ترجمان سے نکلے تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تڑپ اٹھے۔ ان کو بھی اپنا دردِ دل بیان کرنے کا موقع مل گیا۔ انہیں بھی اپنا فسانہ زبان پر لانے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ تڑپ کر بولے' اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بھی تین چیزیں پسند ہیں۔ ایک آپؐ کے چہرہ انور کو دیکھتے رہنا۔ دوسرا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے مال کو خرچ کرنا۔ تیسرا یہ کہ میری بیٹی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں ہے۔ دیکھیں' ان تینوں چیزوں کا مرکز اور محور ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ یہ ہے سچا عشق۔

مثال نمبر2:

ایک دفعہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں بیٹھے رو رہے تھے اور دعائیں مانگ رہے تھے۔ دعا کے دوران یہ بات دل میں آئی کہ یا اللہ! مجھے آپ نے مال عطا کیا' اب میں چاہتا ہوں کہ اپنا مال نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں پیش کروں مگر دینے والا ہاتھ اوپر ہوتا ہے اور لینے والا ہاتھ نیچے ہوتا ہے۔ جب میں مال دوں گا تو اپنے آقاؐ کی یہ بے ادبی تو برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں خود ہی ڈال دیجئے کہ وہ میرے مال کو اپنے مال کی طرح استعمال کرنے لگ جائیں۔ چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ اس کے بعد آپؐ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال کو اپنے مال کی طرح استعمال فرمایا کرتے تھے۔

مثال نمبر3:

ہجرت کے وقت نبی علیہ الصلوۃ والسلام اپنے گھر سے باہر تشریف لائے اور صدیق

اکبر رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہنچے۔ ہلکی سی آواز میں سلام کیا۔ صدیق اکبرؓ فوراً باہر تشریف لائے جیسے پہلے ہی سے جاگ رہے ہوں۔ اس وقت رات کا کافی حصہ گزر چکا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا' لوگ سو رہے ہیں 'کیا آپ جاگ رہے تھے؟ جواب میں صدیق اکبرؓ عرض کرتے ہیں' اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے کچھ دنوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ آپؐ کو ہجرت کا حکم ملے گا اور یہ بھی دل مانتا تھا کہ جب آپؐ ہجرت کیلئے روانہ ہونگے تو اس غلام کو اپنی غلامی میں اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔ پھر دل میں یہ خیال آیا کہ اگر یہ حکم رات کو ملا اور آپؐ تشریف لائے تو آپؐ کو جگانے کی تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ چنانچہ جس دن سے خیال آیا اس دن سے ابوبکر نے رات کو سونا چھوڑ دیا ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ میرے محبوب ﷺ کو ابوبکر کے دروازے پر آکر کھڑا ہونا پڑے۔

مثال نمبر4:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک خواب دیکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ پر بارش ہو رہی ہے۔ جہاں آپؐ کے قدم مبارک ہیں وہاں پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سر ہے اور بارش کا پانی آپؐ پر سے ہوتا ہوا صدیق اکبرؓ پر پڑ رہا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے آپ کو بھی قریب کھڑے ہوئے دیکھا کہ ابوبکرؓ سے پانی کی چھینٹیں اڑ کر میرے اوپر پڑ رہی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ اے اللہ کے نبی ﷺ میں نے ایسا خواب دیکھا ہے۔ فرمایا' یہ علوم نبوت ہیں جو وارد ہو رہے ہیں۔ میری اتباع کامل کی وجہ سے ابوبکرؓ سب سے زیادہ حصہ لے رہے ہیں اور ابوبکرؓ سے مناسبت کی وجہ سے تمہیں بھی حصہ مل رہا ہے۔

سلسلۂ نقشبندیہ میں علوم نبوت:

یہ وہ علوم نبوت ہیں جو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں آج بھی جاری و ساری ہیں۔ ہمارے سلسلے کے اندر کرامات زیادہ نظر نہیں آئیں گی' ہمارے سلسلہ میں آپکو بھوکے رہنے کے مجاہدے زیادہ نظر نہیں آئیں گے' چلہ کشی زیادہ نظر نہیں آئے گی۔ دوسرے سلاسل کے حضرات سب کاملین ہیں۔ ہمیں ان سے محبت اور عقیدت ہے۔ وہ فرماتے ہیں ہم ریاضت کے ذریعے سلوک طے کرواتے ہیں جبکہ ہمارے مشائخ اتباع سنت کے ذریعے سلوک طے کرواتے ہیں۔ دیکھا!

یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا فیضان ہے جو اللہ رب العزت نے اس سلسلہ میں جاری فرمادیا۔

بے طلبی کی مذمت:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یہ مقام سوز عشق اور کیف علم کی وجہ سے نصیب ہوا۔ آج ہمیں بھی یہ دونوں نعمتیں اللہ رب العزت سے مانگنی چاہئیں۔ یہ اسے ملتی ہیں جس کے اندر طلب ہوتی ہے۔ میرے دوستو! بے طلب انسان کو تو عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی کچھ نہ ملا اب تو نبوت کو چودہ سو سال گذر گئے' ایک آدمی کو بے طلب بن کر بھلا آج کیا مل سکتا ہے۔ طلب پکی سچی ہونی چاہئے۔ آج لوگ بیعت تو ہو جاتے ہیں مگر رابطۂ شیخ نصیب نہیں ہوتا۔

رابطۂ شیخ کیا ہے؟:

پوچھتے ہیں' رابطہ شیخ کیا ہے؟ کوئی نعمت ہوتی ہے جو اللہ تعالی پیر اور مرید کے دل میں پیدا فرمادیتا ہے۔ ایسی محبت ہوتی ہے کہ انسان اس کی حرارت کو بے اختیار محسوس کرتا ہے۔ اس کے اپنے بس میں نہیں ہوتا۔ وہ محبت بے اختیار ان کے دلوں کو ایک دوسرے کے ساتھ نتھی کر دیا کرتی ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قلبی تعلق سب سے زیادہ تھا۔ ان کے قلب و نظر کا محور نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات مبارکہ بن چکی تھی۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں ڈوبے رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ فیضان نبوت میں سے ان کو سب سے زیادہ حصہ ملا۔ یہی رابطۂ شیخ ہوتا ہے۔ جو مرید اپنے شیخ سے اس طرح کا تعلق رکھتا ہے تو شیخ پر آنے والے فیوضات سے وہ بھی نوازا جاتا ہے۔ ایسی طلب ہو تو پھر اللہ رب العزت عطا بھی فرمادیتے ہیں۔

حضرت عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے کی سچی طلب:

حضرت عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے جیسی طلب ہونی چاہئے۔ خواجہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے کئی خلفاء تھے۔ ان کا ایک پوتا جوان ہوا تو اس وقت دادی اماں حیات تھیں۔ انہوں نے کہا' بیٹا! ایک نعمت تیرے دادے کے پاس تھی اگر تو چاہتا ہے کہ وہ نعمت تجھے ملے تو ان کے صحبت یافتہ خلفاء کی خدمت میں جا' طلب صادق لے کر جا' تجھے وہ نعمت ملے گی۔ وہ نوجوان آمادہ ہو گیا۔ چنانچہ دادی اماں نے اسے ایک خلیفہ کی خدمت میں

روانہ کر دیا۔ جب خلیفہ صاحب کو پتہ چلا کہ میرے شیخ کے پوتے آرہے ہیں تو وہ جماعت لے کر شہر سے باہر استقبال کیلئے آئے۔ بڑی دھوم دھام کے ساتھ استقبال کیا۔ تین دن مہمان نوازی فرمائی۔ اس کے بعد پوچھا کہ جی! کیسے تشریف لائے۔ عرض کیا' آپ کے پاس ایک نعمت ہے' اس کے حصول کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا' پھر تو تقاضے کچھ اور ہیں۔ پیر بن کر تو وہ نعمت نہیں ملے گی وہ تو مرید بن کر ملے گی۔ چنانچہ وہ گدیاں بھی گئیں وہ بستر بھی گئے۔ فرمایا' چٹائی پر رہنا پڑے گا اور یہ یہ کام کرنے پڑیں گے۔ عرض کیا' بہت اچھا۔ حضرتؒ نے ان کے ذمے کئی قسم کے کام لگا دیئے۔ ان کو ریاضت اور مجاہدے کی لائن پر لگا دیا۔ وہ نوجوان لگا رہا۔ ایک ایسا وقت آیا کہ جب شیخ نے دیکھا کہ کچھ بہتر ہو رہا ہے تو سوچا کہ چلیں آزماتے ہیں کہ طلب کتنی پکی ہے۔ کچھ لوگ شکار کیلئے جانے لگے تو شیخ نے خود بھی پروگرام بنا لیا کہ ہم بھی شکار کیلئے جائیں گے۔ اس دور میں شکار کو کتوں کے ذریعہ سے پکڑا جاتا تھا۔ سدھائے ہوئے کتوں کا شکار شریعت نے حلال گردانا ہے۔ حضرتؒ نے پلے ہوئے بڑے بڑے کتے ساتھ لے لیے اور نوجوان سے فرمایا کہ آپ نے ان کتوں کو پکڑنا اور سنبھالنا ہے۔ اس نے کہا' بہت اچھا۔ یہ بیچارہ مجاہدے کی وجہ سے سوکھ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ بن چکا تھا۔ جبکہ آزمائش کیلئے کتے پکڑنے کی ڈیوٹی لگا دی گئی۔ بسا اوقات شیخ آزماتے ہیں' تکلیف دے کر بھی آزماتے ہیں۔ شیخ کو پتہ چل جاتا ہے کہ حقیقت کیا ہے' لیکن مرید کو پتہ نہیں چلتا۔ چنانچہ نوجوان نے رسی کو اپنی کمر سے باندھ لیا اور اپنے ہاتھوں سے اسے مضبوطی سے پکڑ بھی لیا۔ جب شکار سامنے آیا اور کتوں نے شکار کو دیکھا تو وہ بھاگے۔ چونکہ پلے ہوئے کتے تھے اور یہ اکیلے اور کمزور تھے اس لئے رسی کو اپنی ہمت سے پکڑا تو سہی مگر ساتھ کھنچتے چلے گئے۔ کتے تیز بھاگے اور یہ کھنچتے کھنچتے گر گئے۔ اب ساتھ گھسٹتے چلے جا رہے ہیں' جسم زخموں سے چور چور ہو رہا ہے مگر رسی کو نہ چھوڑا کیوں کہ شیخ نے وہ رسی پکڑائی تھی۔ اب جان تو جا سکتی ہے مگر ہاتھوں سے نہیں چھوٹ سکتی۔ یہ ہے سچی طلب۔ جب ان کو جسم پر زخم لگے تو شیخ بھی ساتھ تھے۔ شیخ کو اس وقت کشف میں حضرت خواجہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی زیارت ہوئی اور خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ خلیفہ صاحب! ہم نے تو آپ سے اتنی محنت

نہیں کروائی تھی۔ چنانچہ اسی وقت شیخ نے اس نوجوان کو سینے سے لگایا اور وہ نعمت ان کے سینے میں القا فرمادی۔

عشق کے تیشے سے دریا کا رخ بدل دیا:

حضرت مرشد عالم رحمت اللہ علیہ سائیں فتح علی کا ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ حضرت خواجہ سراج الدین ؒ کی خانقاہ میں ایک آدمی تھا جس کا نام تھا "بھتو"۔ ان پڑھ جاہل تھا۔ قرآن پاک بھی پڑھنا نہیں آتا تھا مگر حضرت ؒ کے ساتھ جب بیعت کی تو گویا بک گیا۔ اپنے آپ کو شیخ کے سپرد کر دیا۔ یہ سب سے مشکل کام ہے۔ حضرت ؒ کی خدمت میں رہنے لگ گیا۔ حضرت ؒ کو وہاں پر کئی ایکڑ زمین ملی ہوئی تھی۔ پہاڑی پانی پوری زمین پر پھیل جاتا تھا جس سے وہ زمین قابل کاشت نہیں بن سکتی تھی۔ بھتو کہنے لگا' حضرت! اگر پہاڑ کو فلاں جگہ سے کاٹ دیا جائے تو یہ پانی رخ بدل لے گا اور آپ کی زمین کار آمد بن جائے گی۔ حضرت ؒ نے فرمایا' یہ تو مشکل کام۔ کہنے لگا' حضرت! بس اجازت دے دیجئے۔ حضرت ؒ نے جب بھتو کی طلب سچی دیکھی تو اجازت دے دی۔ چنانچہ بھتو نے کدال ہاتھ میں لیا اور وہاں جا کر چٹانوں کو توڑنا شروع کر دیا۔ لوگ آکر پوچھتے' بھتو! کیا کر رہے ہو؟ وہ کہتا' پہاڑ کاٹ کر دریا کا رخ موڑنا چاہتا ہوں۔ لوگ ہنس کے چل دیتے اور کہتے کہ لوگ ایسے ہی کہتے ہیں کہ بیوقوف مر گئے ہیں دیکھو وہ وہ سامنے موجود ہے۔ بھتو کسی کی بات پر کان نہ دھرتا۔ بس اپنے کام میں لگا رہتا۔ میرے دوستو! پہاڑوں کو توڑنا آسان نہیں ہوتا' دریاؤں کا رخ موڑنا آسان نہیں ہوتا مگر جب عشق کا جذبہ ساتھ شامل ہوتا ہے تو پھر پہاڑ بھی موم بن جایا کرتے ہیں۔ پھر اللہ رب العزت راستے نکال دیا کرتے ہیں۔

ہر ضرب تیشہ ساغر کیف وصال دوست

(تیشے کی ہر ضرب ایسی ہوتی ہے جیسا کہ وہ دوست کے وصل کا جام پی رہا ہو)۔

وہ تیشے مار رہا تھا اور محبت کی لذتیں اٹھا رہا تھا۔ ایک وقت آیا کہ پہاڑ کا حصہ کٹ گیا۔ دریا کا رخ بدلا اور حضرت ؒ کی زمین قابل کاشت بن گئی۔ حضرت مرشد عالم ؒ اس عاجز کو اس جگہ پر لے گئے اور اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ وہ جگہ ہے جس جگہ کو بھتو نے عشق کے تیشے سے کاٹ

کر رکھ دیا تھا۔ فقیر نے وہاں عشق کو بازی جیتتے دیکھا' عشق کو وہاں سرخرو ہوتے دیکھا۔ فقیر نے کہا' بھتو! میں تیرے عشق کو سلام کرتا ہوں' میں تیری عظمتوں کو سلام کرتا ہوں' میں تیرے دل کی اس کیفیت کو سلام کرتا ہوں جس میں سرمست ہو کر تو نے تاریخ میں ان مٹ نقوش چھوڑے ہیں۔

بھتو کی سچی طلب کے ثمرات: اس واقعہ کے کچھ دن بعد حضرتؒ نے مکانات بنوانے تھے کیونکہ خانقاہ پر مہمانوں کی آمد و رفت زیادہ تھی اور رہائش کا انتظام کم تھا۔ چنانچہ مستری کام پر لگا دیئے گئے۔ مستری تو دوپہر کے وقت آرام کرتے مگر بھتو سوچتا کہ مستری اٹھیں گے اور میں اس وقت گارا بناؤں گا تو اس سے تو وقت ضائع ہو جائے گا۔ مستری تو بیٹھے رہیں گے انتظار میں اور کام بھی میرے حضرت کا ہے۔ چنانچہ جب مستری سو جاتے' تو اس وقت بھتو گارا بنایا کرتا تھا اور کسی کو پتہ بھی نہیں ہوتا تھا۔ جی ہاں' محبت اظہار تو نہیں چاہتی' محبت تو اخفا چاہتی ہے۔

وہ جن کا عشق صادق ہو وہ کب فریاد کرتے ہیں
لبوں پر مہر خاموشی دلوں میں یاد کرتے ہیں

چنانچہ بھتو اسی طرح روزانہ گارا بناتا رہا۔ حضرت خواجہ صاحبؒ ایک دن دوپہر کے وقت اٹھے' بالکونی سے باہر دیکھا' دھوپ کی وجہ سے سب لوگ سوئے ہوئے ہیں اور اکیلا عاشق گارا بنا رہا ہے۔ پسینے میں شرابور مگر عشق و محبت کے ساتھ وہ اپنی کسی چلا رہا ہے۔ حضرتؒ نے جب دیکھا تو آپ کو طلب صادق نظر آئی۔ چنانچہ ایک آدمی کو بھیجا کہ بھتو کو بلا کر لاؤ۔ اس آدمی نے جب جا کر کہا تو بھتو ڈر گیا کہ شاید مجھ سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے۔ کہنے لگا' اچھا میں ابھی ذرا بدن دھو لوں اور کپڑے پہن لوں پھر حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا ہوں۔ حضرتؒ کو پتہ چلا تو فرمایا' نہیں' اسے کہو کہ اسی حالت میں میرے پاس آئے۔ چنانچہ بھتو اسی حالت میں آپ کے پاس آیا۔ آپ نے اسی وقت سینے سے لگایا اور نسبت کو القا فرمادیا۔

اب بھتو رونے بیٹھ گیا۔ کہنے لگا' حضرت! میں تو جاہل مطلق ہوں' مجھے بالکل کچھ

نہیں آتا' قرآن بھی پڑھا ہوا نہیں ہوں اور آپ فرماتے ہیں کہ میں نے تجھے خلافت دے دی مگر میں تو اس کا مستحق نہیں ہوں۔ حضرت خواجہ صاحب ؒ نے فرمایا' نعمت دینا اللہ کا کام۔ اس نے دل میں ڈالا اس لئے ہم اب اسے روک نہیں سکتے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ برتن صاف ہے لہذا ہم نے نعمت برتن میں ڈال دی۔ اب اللہ تعالی خود مہربانی فرمائے گا۔

خیر ممتو کو نسبت ملی تو نسبت نے اپنے پھل پھول نکالنے شروع کر دیئے۔ اس نے قرآن پاک پڑھنا شروع کر دیا۔ کچھ اور وقت گزرا تو سائیں فتح علی بن گیا' حتی کہ بڑے بڑے علماء اس سے بیعت ہونے لگ گئے۔ حضرت مرشد عالم ؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حج کیا۔ اسی دوران میں سائیں فتح علی بھی مکہ مکرمہ میں تھا۔ ایک جگہ علماء کا مجمع تھا' میں نے دیکھا کہ علماء تو زمین پر چٹائیاں بچھا کر سوئے ہوئے ہیں جبکہ انکے درمیان میں سائیں فتح علی کیلئے چارپائی بچھائی گئی ہے۔ یہ نعمت ایسی چیز ہے کہ یہ ممتو کو سائیں فتح علی بنا دیا کرتی ہے۔

سوز عشق اور کیف علم حاصل کرنے کے ذرائع:

میرے دوستو! سوز عشق اور کیف علم حاصل کرنے کیلئے اس طرح کی طلب پیدا کرنی چاہئے۔ سوز عشق کیلئے اللہ رب العزت نے انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے اور کیف علم کیلئے اللہ رب العزت نے کتاب عطا فرمائی جس کو کتاب اللہ کہتے ہیں۔ گویا رجال اللہ اور کتاب اللہ عطا فرمائے۔ رجال اللہ کے ذریعے سوز عشق کی خواہش کا پورا ہونا تھا اور کتاب اللہ کے ذریعے کیف علم کی خواہش کا پورا ہونا تھا۔ یا یوں سمجھئے کہ سوز عشق کیلئے سنت رسول ﷺ اور کیف علم کیلئے اللہ کا قرآن ملا۔ گویا جس انسان کے ایک ہاتھ میں کتاب اللہ ہو اور دوسرے ہاتھ میں سنت رسول ﷺ ہو تو اس کے پاس سوز عشق بھی ہے اور کیف علم بھی ہے۔ یہ ہے زندگی جسے کامیاب زندگی کہتے ہیں۔

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نہ داند جام و سندان باختن

ہر ہوسناک جام و صراحی سے کھیلنا نہیں جانتا۔ یہ اللہ تعالی کی رحمت ہوتی ہے کہ کچھ

ہستیوں کو سوزِ عشق بھی عطا فرما دیتا ہے اور کیفِ علم بھی عطا فرما دیتا ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ: یاد رکھیں' اللہ رب العزت نے اس نسبت کو ہر زمانے میں جاری رکھنا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ آج جنید اور شبلی نظر نہیں آتے' ہم نسبت کس سے حاصل کریں؟ جی ہاں' اگر جنید اور شبلی کو ڈھونڈو گے تو وہ نہ تو دن میں نظر آئیں گے اور نہ رات میں نظر آئیں گے اور نتیجہ یہ نکلے گا کہ جیسے خالی آئے تھے ویسے ہی خالی چلے جائیں گے۔ البتہ سچی طلب سے نسبت کو تلاش کرو گے تو نسبت آپ کو آج بھی مل جا۔ ں۔ نسبت آپ کو آج بھی اپنے انوارات دکھائے گی۔ دیکھیں کہ اگر کسی آدمی کی آنکھوں پر پٹی ہو اور وہ کہے کہ مجھے تو نظر ہی نہیں آتا تو بھلا اس میں کس کا قصور ہو گا؟ ہاں اپنی آنکھوں سے تکبر اور نفسانیت کے پردہ کو ہٹا کر خالص اللہ کیلئے صاحبِ نسبت کو ڈھونڈیئے' آپ کو نسبت والے آج بھی مل جائیں گے۔ کیونکہ اللہ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہوا ہے۔

دل کی حسرت: میرے دوستو! جن کے پاس یہ نسبت ہوتی ہے یہ نسبت ان کے گھر کی باندی نہیں ہوتی' یہ نسبت ان کی جاگیر نہیں ہوتی' یہ نسبت ان کی ملکیت نہیں ہوتی۔ یہ اوپر سے ملتی ہے آگے پہنچانے کیلئے۔ ہاں برتن نظر نہیں آتے اگر برتن نظر آ جائیں تو اس نعمت کو ڈالنے کیلئے ہر وقت تیار ہوتے ہیں۔ ہم کیوں اِد ۔ اُدھر گھومتے پھرتے ہیں؟ کیوں دنیا کے چکر کاٹتے پھرتے ہیں؟ اس لئے کہ کہیں سوزِ عشق اور کیفِ علم کا طالب نظر آئے مگر افسوس نفس کے طالب نظر آتے ہیں اور خواہشات کے بندے نظر آتے ہیں:

؎ حال دل جس سے میں کہتا کوئی ایسا نہ ملا
بت کے بندے تو ملے اللہ کا بندہ نہ ملا

میرے دوستو! کوئی اللہ کا بندہ نظر آ جائے تو یہ اپنے بس کی بات نہیں ہوتی' پھر وہ پروردگار اس نسبت کو القا کرنے کیلئے راستے ہموار کر دیا کرتا ہے اور اگر کوئی شیخ اس وقت نسبت کو منتقل نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے سامنے مجرم بنا کر کھڑا کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ

رب العزت کا فرمان ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا (بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات کا حکم دیتا ہے کہ تم امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کردو)۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نور نسبت سے مستفیض فرمائے اور روز محشر بخشش کیے ہوئے گنہ گاروں کی قطار میں شامل فرمائے۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ